جلد ۲۳ | مورخہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ | یوم چہارشنبہ | مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۵ء | نمبر ۲۶

مدینۃ المسیح

قادیان ۲۹ جولائی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی صحت خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے اچھی ہے:۔

حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے آج بارہ بجے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے طلبا کو جو موسم گرما کی تعطیلات میں اپنے گھروں کو جانے والے ہیں۔ مسجد مبارک میں نصائح فرمائیں:۔

حضرت ام المومنین کی صحت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے:۔

صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ بنت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کو تا حال بخار ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں:۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کشفِ حقائق کیلئے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاؤ

فرمایا:۔ افسوس یہ لوگ دل رکھتے ہیں۔ مگر سوچتے نہیں۔ آنکھیں رکھتے ہیں۔ مگر دیکھتے نہیں۔ کان رکھتے ہیں پر سنتے نہیں۔ ان کے لئے بہترین راہ اب یہی ہے۔ کہ وہ رو رو کر دعائیں کریں۔ اور میرے متعلق کشف الحقیقت کے لئے اللہ تعالےٰ ہی سے توفیق چاہیں اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص محض احقاق حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیگا۔ وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالےٰ سے اطلاع پائے گا۔ اور اس کا زنگ دور ہو جائے گا۔ بجز اللہ تعالےٰ کے کوئی نہیں۔ جو دلوں کو کھولے۔ اور کشف حقائق کی قوت عطا کرے اسلام اسوقت مصیبت کی حالت میں ہے۔ اور وہ ایک فنا شدہ قوم کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی حالت اور صورت میں ان لوگوں پر مجھے رونا آتا ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ اسلام کی اس تباہ شدہ حالت کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بیمار ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بیماروں سے بڑھ کر کون واجب الرحم ہو سکتا ہے جو اپنی بیماری کو صحت سمجھے یہی وہ مرض ہے جس کو لاعلاج کہنا چاہیئے اور ان لوگوں پر اور بھی افسوس ہے۔ جو خود حدیثیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آیا کرتا ہے۔ لیکن اس چودھویں صدی کے مجدد کا انکار کر دیا۔ اور نہیں بتاتے کہ اس صدی پر جس میں سے بیس سال گذر گئے کوئی مجدد آیا ہے۔ یا نہیں؟ خود پتہ نہیں دیتے اور آنے والے کا نام دجال رکھتے ہیں۔ کیا اسلام کی اس خستہ حالی کا مداوا اللہ تعالےٰ نے یہی کیا کہ بجائے ایک مصلح اور مرد خدا کے بھیجنے کے ایک فرا اور دجال کو بھیجدیا۔ یہ لوگ ایسے اعتقاد رکھ کر خدا تعالےٰ کی اس کی پاک کتاب قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے:۔ (الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء)

سر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بمبئی میں تشریف آوری

جماعت احمدیہ کا مخلصانہ ایڈریس

سر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بمبئی میں ۲۴ جولائی کو صبح ساڑھے آٹھ بجے فرنٹیر میل سے تشریف لائے۔ احمدیہ جماعت کے افراد اور دیگر معززین نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ احمدی احباب اور دیگر معززین کا فوٹو آپ کے ساتھ اسٹیشن پر ہی Times of India کے نمائندہ نے لیا جو کہ اسی روز شام ٹائمز آف انڈیا میں چھپ گیا۔

جماعت احمدیہ کی درخواست پر آپ نے ۲۵ جولائی کو شام کے ساڑھے چار بجے ٹی پارٹی منظور فرمائی جو Memgine Hotel. میں دی گئی۔ اس موقعہ پر جماعت احمدیہ بمبئی کی طرف سے جناب سیٹھ اسماعیل آدم صاحب نے حسب ذیل ایڈریس پڑھا۔

اخویم مکرم سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان و برادران احمدیہ!

سب سے پہلے میں اس خدائے ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو رب العالمین ہے زاں بعد صلوٰۃ و سلام اس نبی اکرم پر ہو جو خاتم النبیین ہے۔ اور اس کی آل اطہار و اصحاب کبار و خلفائے عظام پر خدا تعالےٰ اپنی برکتیں نازل کرے۔ اور اس بزرگ ہستی پر خدا تعالےٰ کی بے شمار برکتیں نازل ہوں جو ہمارے زمانہ میں بروز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو کر مہدی آخر زمان اور آنحضرت رسول اکرم کا امتی ہو کر مسیح ابن مریم کے نام سے آیا۔ اور جس نے خداوند تعالےٰ کے دربار سے خاتم الخلفاء کا خطاب پایا۔ جس کی بعثت سے پھر خدا تعالےٰ نے چاہا۔ کہ ہمارے نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراموش شدہ اسباق امت محمدیہ کو یاد دلائے اور جس کی اتباع نے آج ہم کو یہ موقعہ دیا۔ کہ اپنے ایک معزز بھائی کے اعزاز میں ہم سب احمدی بھائی ایک مقام پر جمع ہوں بمبئی کی احمدی جماعت ایک دور افتادہ جماعت ہے۔ یہاں کے دوست بھی اکثر باہر کے ہیں جن میں غریب الوطنی کا احساس مزید برآں ہے کہ بمبئی چونکہ باب الہند ہے۔ اس لئے بیرونی ممالک کے مبلغین اور جناب چوہدری صاحب جیسی محبوب ہستیوں کا گذر یہاں سے اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسے مواقع پر جو چند لمحات ہمیں اس قسم کی صحبت سے میسر آجاتے ہیں۔ انہیں سب دوست بالغنیمت جانتے ہیں۔

مکرم چوہدری صاحب! آپ کو ہمارے دلوں میں ایک خاص جگہ حاصل ہے۔ اول تو جتنی بار گذشتہ پانچ سالوں میں آپ کا گذر یہاں سے ہوا ہے۔ اتنی بار ہماری جماعت کے اور کسی بزرگ کا نہیں ہوا۔ اور آپ ہر بار ہم کو برادرانہ محبت سے یاد فرماتے رہے ہیں۔ مزید برآں آپ جو ذاتی جوہر روشنی طبع اور اخلاق فاضلہ کی صورت میں خداوند کریم نے آپ کو بخشے ہیں۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو بھی ان کا کھلا اعتراف ہے۔ جو اپنی شقاوت کے ماتحت آپ کی مخالفت میں سرگرم ہیں مگر آج آپ کا بمبئی میں آنا سلطنت ہندوستان کے شعبہ تجارت کے وزیر کی حیثیت سے ہے۔ جس سے ہم کو دوہری خوشی حاصل ہوئی اس مقام پر پہنچ کر بھی احمدیت کا ایسا نمونہ دکھایا جو ہماری جماعت کے آئندہ مشاہیر کے لئے ہمیشہ قابل تقلید ہوگا۔ ہم دعا کرتے ہیں خدا تعالےٰ آپ کے درجات دینی و دنیوی برابر ترقی عطا کرے۔ اور جس عہدہ جلیلہ کا قلمدان آپ کے سپرد ہوا ہے۔ اس کے متعلق خدا تعالےٰ آپ کو مختلف قوموں کے فوائد حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے مخلوق خدا کی خدمت اور حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

برادرم مکرم! آپ کو اس عہدہ جلیلہ کے سبب ہندوستان کے دو بڑے تجارتی مراکز کلکتہ و بمبئی میں شاید بار بار آنا پڑے۔ اس لئے ہم امید کرتے ہیں۔ کہ جب کبھی آپ کا اس شہر بمبئی میں آنا ہو۔ تو آپ ہم سب احمدی بھائیوں کو یاد فرما کر آج کی طرح ملاقات کا شرف عطا کرتے رہیں گے۔ اور جہاں تک بھی وقت آپکو اجازت دے۔ آپ ہمیں اپنی قیمتی نصائح اور تجربات سے بہرہ ور فرماتے رہیں گے۔ تا ہمارے ایمان صیقل ہوں۔ ہمارے دل میں خدا کی سچی محبت عظمت قائم ہو۔

بعدہ جناب چوہدری صاحب نے ایڈریس کے جواب میں مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے یہ بتلایا کہ تجارت سب سے بہتر وہی ہے جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ کی جائے انسان ہزاروں لاکھوں روپیہ کماتا بڑی بڑی جائدادیں پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کو قلب کی راحت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیوی اموال کو ہی سب کچھ سمجھ کر انہی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی کا اقرار اپنے افعال سے نہیں کرتے ایسے انسان ہمیشہ تکلیف و مصائب کے اندر گھرے رہتے ہیں۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا خدا تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کون ہے جو میرے ساتھ تجارت کرے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ پس سب احمدی اس بات کی کوشش کریں کہ مستحکم طور پر اللہ تعالےٰ کے حکم واعتصموا بحبل اللہ کے ماتحت اسکی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں تا کامیابی و بامرادی حاصل ہو۔ اور اطمینان قلب نصیب ہو۔

خاکسار خواجہ محمد یوسف

خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی

۲۹ جولائی ۱۹۳۵ء کو بیعت کرنیوالوں کے نام

ذیل کے اصحاب بذریعہ خطوط حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے:

نمبر	نام	پتہ	نمبر	نام	پتہ
۱	[illegible]	نائیجیریا	۱۴	محمد عظیم صاحب	ضلع مین پوری
۲	حسین بخش صاحب	ریاست کپورتھلہ	۱۵	چاند محمد صاحب	"
۳	ہاشم علی صاحب	ضلع مظفر نگر	۱۶	غلام احمد صاحب	"
۴	نذیر بیگم صاحبہ	ریاست رام پور	۱۷	قاسم علی صاحب	"
۵	محمد دین صاحب	ضلع اٹک	۱۸	فاطمہ بی بی صاحبہ	"
۶	خیر الدین صاحب	ضلع مین پوری	۱۹	جنت بی بی صاحبہ	"
۷	سادھو بیوی صاحبہ	"	۲۰	اللہ داد خان صاحب	برما
۸	محمد امین صاحب	"	۲۱	علی خان صاحب	ضلع اٹک
۹	اہلیہ " "	"	۲۲	نواب خان صاحب	"
۱۰	الٰہی بخش صاحب	"	۲۳	ٹھٹو ولد غلام حیدر صاحب	ضلع منٹگمری
۱۱	بھولا صاحب	"	۲۴	ہیرا ولد ہاشم صاحب	"
۱۲	اہلیہ " "	"	۲۵	قاضی فیض الٰہی صاحب	ضلع ملتان
۱۳	عائشہ صاحبہ	"	۲۶	حکیم عزب اللہ صاحب	ضلع گورداسپور

ضروری اطلاع

برائے حصہ داران دارالانوار کمیٹی

جملہ حصہ داران دارالانوار کمیٹی کی خدمت میں اطلاعاً گزارش ہے کہ کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق ہر سال ماہ فروری کی قسط کے ساتھ چار روپے اور ماہ اگست کی قسط کے ساتھ تین روپے زائد کل سات روپے سالانہ فی حصہ اغراض مشترکہ کے اخراجات کے لئے وصول کئے جاتے ہیں۔ اس لئے احباب ماہ اگست ۱۹۳۵ء کی قسط کے ساتھ تین روپے فی حصہ زائد رقم بھی ارسال فرمائیں۔ یعنی ماہ اگست ۱۹۳۵ء کی قسط بجائے عہ/ روپے فی حصہ کے عہ/ فی حصہ ہوگی۔ سیکرٹری دارالانوار کمیٹی قادیان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الفضل
قادیان دارالامان مورخہ ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
خطبہ جمعہ

احراریوں کی سازش سے قاتلانہ حملہ کے اثرات

جماعت احمدیہ اور حکومت برطانیہ

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۳۵ء

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں پہلے گزشتہ خطبات کے تسلسل میں آج بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور آج میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اس واقعہ کے بڑے پہلوؤں کے علاوہ

کچھ اور پہلو

بھی ہیں۔ جنہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ سب سے پہلے میں احرار کو لیتا ہوں۔ کہ اس واقعہ کی وجہ سے ان کی جماعت پر کیا اثر پڑا ہے۔ اور کیا پڑ سکتا ہے۔ دنیا میں ہر ایک مذہب و ملت میں شریف لوگ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے بھی ہوتے ہیں۔ اشتعال کے وقت شرافت دب جاتی ہے۔ اور وحشت غالب آجاتی ہے۔ اور جب اشتعال نہ ہو تو وحشت دب جاتی ہے۔ اور شرافت غالب آجاتی ہے۔ گو ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی شرافت ہر وقت غالب رہتی ہے۔ اور ایسے بھی جن کی وحشت ہر وقت غالب ہوتی ہے مگر اکثر حصہ انسانوں کا جن کو انبیاء یا ان کے فیض یافتہ لوگوں کی صحبت میسر نہیں ہوتی۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ

اشتعال کے وقت

ان کی شرافت اور اخلاق دب جاتے ہیں۔ اور دوسرے اوقات میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پس اس واقعہ کو اس نگاہ سے بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر شرفاء پر کیا ہوگا۔ یہ تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ باوجود اشتعال کی حالت کے اور باوجود اس کے کہ مسلمان آج ہمیں غیر سمجھتے ہیں۔ مسلمان شرفاء سے خالی ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم۔ حتیٰ کہ دہریہ قوم بھی ایسی نہیں ہو سکتی۔ جو

شرفاء سے خالی

ہو۔ پھر ایک ایسی قوم کے متعلق جسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پہونچی ہو۔ جو اپنے آپ کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرتی ہو۔ اور جس کے کانوں میں خدا کی آواز پڑتی ہو۔ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نیک اور شریف لوگوں سے خالی ہے۔ بعض اوقات ظلم اپنی کثرت کی وجہ سے خود بخود توجہ کھینچنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک وقت تک ظلم کو دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس میں شریک بھی ہو جاتے ہیں۔ اور بعض شریک تو نہیں ہوتے۔ مگر بے پرواہ ہو کر ایک طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر ظلم جب حد کو پہونچ جائے تو ان کی

فطرت جوش میں

آجاتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ اس سے زیادہ ظلم برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ لوگ ظالموں سے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم نے تمہیں شریف۔ اور جائز کارروائیاں کرنے والا سمجھا تھا۔ مگر اب معلوم ہوا۔ کہ تم بُرے لوگ ہو۔

غالب نے کہا ہے۔ کہ ؎

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

جب درد حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تو وہ بھی ایک علاج ہو جاتا ہے۔ کئی بیمار اس طرح تباہ ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کو

بیماری کی ابتداء

میں تکلیف زیادہ نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ علاج کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مرض لاعلاج صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر کئی بیمار اس طرح اچھے ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں ابتداء میں ہی زیادہ تکلیف ہونے لگتی ہے۔ اور وہ فوراً کسی لائق طبیب سے مشورہ لے لیتے ہیں۔ پھر بسا اوقات مرض کا بڑھنا انسان کے اندر شفا کا مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ظلم بھی جب حد سے گزرتا ہے تو وہ علاج کا موجب ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ والے ایک وقت تک دکھ دیتے رہے۔ اور دوسرے لوگ دیکھتے ہوئے خاموش رہے۔ ان میں بھی ایسے شرفاء موجود تھے۔ جو مکہ والوں کے رویہ کو ناپسند کرتے تھے مگر سمجھتے تھے۔ کہ مسلمانوں نے خود ہی ایک نیا مذہب نکالا ہے اور پھوٹ ڈال دی ہے جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں ہم کیا کریں اس طرح وہ اپنے دلوں کو تسلی دے لیتے۔ یہاں تک کہ ظلم بڑھتے بڑھتے ایک وقت ایسا آیا۔ کہ پورے طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رشتہ داروں اور صحابہ کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ اور آپ ان کو ساتھ لے کر ایک وادی میں چلے گئے۔ وہاں ان کی

نظر بندوں کی سی حالت

تھی۔ اور یہ کوئی ایک دن دو دن ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ کی بات نہ تھی۔ بلکہ سالہا سال تک یہ حالت چلی گئی کفار نے فیصلہ کیا۔ کہ کوئی شخص ان کے ہاتھ نہ کوئی چیز فروخت کرے اور نہ ان سے خریدے۔ نہ خریدنے تک تو برداشت کیا جا سکتا تھا مگر فروخت نہ کرنے کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ انہیں کھانے کے لئے بھی کچھ نہ مل سکتا۔ مکہ میں زمینداری تو ہوتی نہیں۔ قافلہ والوں کو ممانعت تھی کہ مسلمانوں کے پاس کوئی چیز فروخت نہ کریں۔ اس طرح انہیں نہ آٹا مل سکتا۔ اور نہ کوئی اور چیز۔ گویا ان کے لئے

زندگی کے سب سامان بند

کر دیئے گئے۔ اس طرح مسلمانوں پر مصائب بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ ایک صحابی کہتے ہیں۔ آخر وہ دن آ گئے۔ کہ چونکہ کھانے پینے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ ہمیں آٹھ آٹھ دس دس روز پاخانہ نہ آتا تھا۔ اور چونکہ پتے وغیرہ کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ اس لئے جب آتا تو مینگنیاں سی ہوتی تھیں۔ انہی تکالیف کے صدمہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوت ہو گئیں۔ اور دوسرے صحابہ کو بھی اس قسم کے

بہت سے صدمات

برداشت کرنے پڑے۔ لیکن آخر یہ ظلم ہی ظالم کی طاقت کو توڑنے کا موجب بن گیا۔ کیونکہ جب بات یہاں تک پہنچی تو وہ طبائع جو مختلف باتوں سے اپنے دلوں کو تسلی دے لیتی تھیں۔ ان کو یہ احساس ہوا۔ کہ اب بات حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک۔ ان میں سے اٹھا۔ اور اپنے ایک گہرے دوست کے پاس گیا۔ اسے کہا کہ میں تم پر اعتبار کر کے

ایک خاص مشورہ

کے لئے آیا ہوں۔ تم کو معلوم ہے۔ کہ مکہ والوں نے ایک معاہدہ کر کے اسے کعبہ میں لٹکا رکھا ہے۔ کہ مسلمانوں کے پاس نہ کوئی چیز فروخت کی جائے۔ اور نہ ان سے خریدی جائے۔ اس نے کہا ہاں پھر اس نے کہا غور کرو۔ آخر ان کا کیا قصور ہے۔ کہ انہیں اس قدر ایذائیں دی جاتی ہیں۔ جب ہم لوگ آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ اور بیوی بچوں میں دن گذار رہے ہیں۔ تو ان کو بھوکے پیاسے مارنا بہت بڑا ظلم ہے۔ سے میں تو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے آدمی بھی ایسا ہی چنا تھا۔ جس کی طبیعت سے وہ واقف تھا۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کہ کوئی اور ایسے لوگ بتاؤ جو ہمارے ہم خیال ہوں۔ اس نے بعض نام بتائے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی اتفاق کیا۔ اور ان سب نے تلواریں نکال لیں۔ اور کہا کہ خواہ جان چلی جائے۔ ہم اس معاہدے کو توڑتے ہیں۔ اور جب انہوں نے دلیری سے کعبہ میں جا کر اس معاہدے کو پھاڑ ڈالا۔ تو سینکڑوں ہزاروں شریف الطبع لوگ جو ظالموں کے رعب میں تھے سامنے آ گئے اور ان کے ہم خیال ہو گئے۔ اور اس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے رشتہ دار اور صحابہ سب اس وادی سے باہر آ گئے۔

پس ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو لوگوں کی طبائع کو اس طرف مائل کر دیتا ہے۔ کہ وہ

انصاف پر قائم

ہوں۔ اور اس واقعہ کے بعد جس کا ذکر میں اپنے خطبوں میں کر رہا ہوں۔ ہر قوم کے لوگوں کی طرف سے اس پر

اظہار نفرت

کیا گیا ہے۔ بعض بہت دور کے علاقہ کے رہنے والوں کے بھی خطوط آئے ہیں چنانچہ پرسوں یا اس سے ایک ہی روز قبل

میسور کے علاقہ سے

ایک قاضی صاحب کا خط آیا ہے۔ جس پر ایک مولوی صاحب کے بھی دستخط ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ ہم آپ کو نہیں جانتے۔ اور آپ ہم سے واقف نہیں ہیں۔ مگر احرار کے اس فعل کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو اتنے دور دراز مقامات پر بھی یہ محسوس کیا گیا ہے کہ یہ فعل شرافت کے خلاف ہے۔ اسی طرح

ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے

بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ (اس خطبہ کے بعد کی انگلستان کی اطلاع ہے۔ کہ وہاں بھی ایک انجمن نے اس ظلم کے خلاف اظہار افسوس کیا ہے۔) بلکہ شاید امراء اور ان کے پشت پناہ بعض حکام کے سوا باقی سب طبائع پر اثر پڑا ہے۔ یہ دو تو خود خوش ہیں۔ مگر باقی رعایا اور حکام محسوس کر رہے ہیں۔ کہ

بات حد سے بڑھتی جا رہی ہے

فطرت انسانی اس بات کو محسوس کرتی ہے۔ کہ یہ تو احمدیوں کے بھی ہیں۔ بلکہ احمدیوں کا ایمان اور جوش تو ایسا ہے۔ کہ دنیا اس کی قائل ہے۔ وہ بھی اگر بدلہ لینا چاہیں۔ تو ایسے شریروں کو کوئی طاقت ان کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتی۔ جب کوئی قوم ارادہ کر لیتی ہے۔ کہ ہم بدلہ لیں گے۔ تو کوئی بادشاہ کوئی فوج کوئی پولیس اس کو روک نہیں سکتی۔ بادشاہ سے زیادہ حفاظت کے انتظامات اور کس کے لئے ہو سکتے ہیں۔ مگر کیا بادشاہ نہیں مارے جاتے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ

سربیا کا بادشاہ

ایک اہم پولیٹیکل فیصلہ کے لئے فرانس گیا اس کی حفاظت کے لئے سربیا کے افسر اور فرانس کی پولیس اور فوج موجود تھی۔ اور بڑے انتظامات تھے۔ مگر پھر بھی اسے ساحل سمندر پر ہی مار دیا گیا۔ پھر فوجوں کے کمانڈر بھی مارے جاتے ہیں۔ وائسرائے بھی مارے جاتے ہیں۔ ہندوستان کا ایک وائسرائے جو بہت شریف آدمی تھا انڈیمان گیا۔ اس نے وہاں کے قیدیوں کے ساتھ نیکی کرنے کے لئے یہ سفر اختیار کیا۔ مگر ایک قیدی نے چھرا مار کر اسے مار دیا۔ پس یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کہ صرف ڈر سے لوگ حملہ نہیں کرتے۔ کئی لوگ باوجود طاقت کے اپنی

شرافت کی وجہ سے

دشمن سے بدلہ نہیں لیتے۔ ورنہ بسا اوقات صرف ایک آدمی اٹھتا ہے۔ اور سارے خاندان کا بدلہ لے لیتا ہے۔ تو پھر یہ جماعت ۲۵ ہزار نہ سہی۔ بیس ہزار ہی سہی۔ بیس ہزار نہیں دس ہزار بلکہ ایک ہزار ہی سہی۔ اگر بدلہ لینا چاہے تو کیوں نہیں لے سکتی۔

پس کوئی عقلمند یہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ ہمارا یہ رویہ شریفوں پر اثر کئے بغیر رہے گا یہ احرار پر اثر نہ کرے۔ ان کے بعض نئے دوستوں پر اثر نہ کرے۔ مگر باقی شرفاء پر یہ ضرور اثر کرے گا۔ اور ان کے دلوں میں

احرار کے خلاف نفرت

کا جذبہ پیدا کر کے رہے گا۔ اور کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس وقت ہمارے دوست بھی فساد کر دیتے یا بعد میں کریں۔ تو دنیا یہی کہے گی۔ کہ لڑائی تھی۔ انہوں نے بھی مار لیا اور انہوں نے بھی۔ پس

ایک بہت بڑا فائدہ

اس حملہ کا یہ ہوا ہے۔ کہ لوگوں کو محسوس ہو گیا ہے۔ کہ

احمدی مظلوم ہیں

وہ لوگ جو کہتے تھے۔ کہ قادیان میں احمدیوں کی حکومت ہے۔ وہ اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کہ قادیان میں احرار جتنا زیادہ سے زیادہ حملہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے کیا مگر پھر بھی احمدیوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ اس سے یہ تو ثابت ہو گیا۔ کہ قادیان میں احمدیوں کی ناجائز حکومت نہیں۔ بلکہ

ایک اور ظالم گروہ

نے یہاں حکومت قائم کر رکھی ہے۔ اور وہ انگریزی قانون کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر احمدی بھی ایسا ہی کریں۔ تو احرار کے مٹھی بھر آدمی ایک گھنٹہ بھی یہاں نہیں رہ سکتے۔ یہ صرف ہماری شرافت کی وجہ سے ہے۔ کہ وہ یہاں رہتے ہیں۔ اور ایسے واقعات ہو رہے ہیں۔ اور کوئی خطرناک نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ شرافت کا نمونہ شرفاء پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس کے مقابل پر جو گروہ ہوگا وہ ذلیل ہوگا خواہ وہ احرار ہوں یا حکام۔ ایک وقت انسانی فطرت ضرور ابھرے گی۔ اور کہے گی کہ تم لوگ ظالم ہو۔ اور احمدی مظلوم ہیں۔

احرار کی طرف سے کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ ثابت کریں ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ

ایک انفرادی فعل

ہے۔ مگر نہ وہ خود اور نہ حکام میں سے ان کے دوست اس سازش کو چھپا سکتے ہیں یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ ہر شخص اسے بخوبی جانتا ہے۔ اور جو احراری لیڈر اس سے انکار کرتا ہے وہ سامنے آئے۔ اور اپنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے۔ کہ یہ سازش نہیں تھی۔ یہ بالکل آسان بات ہے۔ کہ وہ اپنے

بیوی بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں

کہ یہ سازش نہیں تھی۔ بلکہ یہ صرف ذاتی لڑائی تھی۔ اور اگر یہ سازش ہو۔ تو ہم پر خدا کی لعنت ہو۔ وہ قسم کھائیں اور پھر دیکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔ آخر غور کرنا چاہیئے۔ کہ

اگر یہ سازش نہ تھی

تو یہ کیا چیز تھی۔ جس نے ہمیں پہلے اطلاع دیدی۔ کہ فلاں گلی میں حملہ ہوگا۔ اور فلاں شخص پر ہوگا۔ اس سازش کے اصل واقعات اگرچہ راز ہیں۔ جنہیں میں فی الحال ظاہر نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں۔

پہلی بات

یہ ہے کہ حملہ آور پہلی ہی شام کو احرار کے ذمہ وار آدمیوں کے ساتھ دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اور پھر وہ اکٹھے نکلتے ہیں۔

دوسری بات

یہ ہے کہ چند دن پہلے تقریروں میں اسے مظلوم ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی۔

تیسری بات

یہ ہے۔ کہ اگر یہ فعل کسی ذاتی بغض کی وجہ سے تھا۔ تو اب احرار اس کی مدد کیوں کرتے ہیں بلکہ معمولی مدد تو الگ رہی۔ اب تو اسے رپورٹوں میں صاحبزادہ حنیف احمد لکھا جا رہا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اُسے بے شک قبلہ و کعبہ لکھیں۔ یہ انہی کی ذلت ہے۔ ہماری نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے بچپن میں سنا یا تھا۔ کہ کسی بیوقوف سے کسی شخص نے برتن مانگ کر لیا۔ اور بہت دنوں تک واپس نہ کیا۔ ایک دن وُہ اس کے ہاں گیا۔ تو دیکھا۔ کہ وہ شخص اس کے برتن میں ساگ ڈال کر کھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اُسے بہت غصہ آیا اور کہنے لگا۔ چودھری ایہ تو ٹھیک بات نہیں ہے۔ تم شادی کے لئے برتن مانگ کر لائے تھے۔ اور اب اس میں ساگ کھا رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے باپ کا بیٹا نہ کہنا۔ اگر میں تمہارا برتن مانگ کر نہ لے جاؤں۔ اور پھر اس میں نجاست ڈال کر نہ کھاؤں۔ بس یہ لوگ اگر ایسوں کو صاحبزادہ اور قبلہ و کعبہ بنائیں۔ تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ افسروں کی عزت ماتحتوں سے اور ماتحتوں کی افسروں سے ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا صاحبزادہ ایسا ہو۔ ان کے صاحب جیسے ہوں گے۔ وہ ظاہر ہی ہے۔

چوتھی بات

یہ ہے۔ کہ خود حکومت کو علم ہے۔ کہ یہ سازش ہے۔ چند دن ہوئے۔ خانصاحب فرزند علی ایک بڑے پولیس افسر سے ملے تو اس نے وہی نام لے کر جس کی ہمیں اطلاع تھی۔ کہا کہ ہمیں معلوم ہے۔ کہ فلاں شخص یہ کام کرا رہا ہے۔ مگر گورنمنٹ اس سازش کو نکال نہیں سکتی۔ یہ معلوم نہیں۔ نکال نہیں سکتی کا کیا مطلب ہے۔ اس وجہ سے نہیں نکال سکتی۔ کہ سازش کنندگان اس کے دوست ہیں۔ یا کوئی

قانونی مجبوریاں

ہیں۔ ہاں ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر وہ نکالنا چاہے تو نکال سکتی ہے۔ جب ذمہ وار افسروں کو نام تک معلوم ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ نہ نکال سکے۔ پس اس کے سازش ہونے کا یہ ایک مزید ثبوت ہے۔ کہ

حکومت کے افسر

جانتے ہیں۔ کہ یہ سازش ہے۔ مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے نکال نہیں سکتے۔ گو اس حالت میں تعجب ہے۔ کہ بعض دوسرے افسر ہم سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ

سازش کا پتہ

ہے۔ تو بتاؤ۔ وہ کیوں اپنے دوسرے افسروں سے نہیں پوچھ لیتے۔ جب ان کو بھی وہی نام معلوم ہے جس کا ہمیں علم ہے۔ میں اس خطبہ کے ذریعہ انہیں بتا دیتا ہوں۔ کہ

حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس

ہوتے ہیں۔ اور سراغ رسانی کے کئی ذرائع اس کے پاس ہیں۔ وُہ روپیہ بھی خرچ کیا کرتی ہے۔ پس وُہ خود ہی کوئی ذرائع اختیار کر کے یہ سازش بھی نکال لے۔ ہم تو موجودہ حالات میں انگریز افسروں کو بھی اپنے ذرائع معلومات بتانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ وُہ ماتحتوں کو بتائیں گے۔ اور ماتحت احرار کو بتا دیں گے۔ اور اس طرح ہمارے وُہ ذرائع بند ہو جائیں گے۔

ہم بدظنی نہیں کرتے

کہ بڑے افسر ایسا کریں گے۔ مگر یہ جانتے ہیں کہ وہ بہرحال ماتحتوں سے کام کراتے ہیں۔ جن میں سے بعض کے متعلق ہمیں ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے۔ کہ وہ نہ صرف احرار سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ انہیں اطلاعات دیتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ہم کس طرح اپنے ذرائع معلومات بند کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر حکومت کوئی

آزاد کمیشن

بٹھائے گی۔ تو اس کے سامنے ہم یہ حالات رکھ دیں گے۔ بہرحال لوگوں پر یہ حقیقت ظاہر ہے۔ اور ایک حصہ حکام کا بھی جانتا ہے۔ کہ یہ سازش ہے۔ اور یہ بات بھی ہر شخص جانتا ہے۔ کہ یہ کھیل دونوں طرف سے کھیلا جا سکتا ہے۔ احمدی بھی کھیل سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے

احمدیوں کی غفلت

ان کے دلوں میں بڑھ رہی ہے۔ اس کے سلسلہ میں ہمیں اور بھی

بعض سازشوں کا علم

ہوا ہے۔ جو ہم حکومت تک پہونچا دیں گے مگر اس خیال سے نہیں۔ کہ وہ انتظام کرے

کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ بعض بڑے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے یا شاید بعض ماتحت افسروں کے دھوکا دینے کی وجہ سے اس وقت تک کوئی انتظام نہیں کر سکی۔ مگر ہم اسے ضرور بتا دیں گے۔ تا اس پر حجت پوری کر دیں

میاں شریف احمد صاحب پر حملہ کی اطلاع

ہم نے ۱۸ جون کے الفضل میں شائع کر دی تھی۔ اور بعد میں حکومت کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکی۔ لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا۔ کہ ہمارا پہلو بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح حجت پوری کرنے کے لئے ہم حکومت کو دوسری سازشوں کا علم بھی دے دینگے۔ اور اس طرح ان کے وقوعہ کے بعد ہمارے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو جائیں گے۔

ضمناً میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ اس وقت تک بعینہ اسی طرح جس طرح وُہ میزبان جو مہمان کو ٹالنا چاہے۔ اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنا شروع کر دیتا ہے۔ کہ بتائیے۔ میں آپ کی کیا خاطر کروں۔ بعض افسر ہم سے یہ پوچھتے ہیں۔ کہ اچھا تم بتاؤ۔ ہم کیا کریں۔ وہ اتنا نہیں سوچتے۔ کہ

نوکر تم ہو

تنخواہیں تم لے رہے ہو۔ ساری عمر ایسے کاموں میں گذارنے کی وجہ سے تجربہ تمہیں ہے۔ اور پوچھتے ہم سے ہو۔ کہ کیا کریں

ہم کیا بتائیں

کہ کیا کرو۔ جب مولوی ظفر علی صاحب کے متعلق حملہ کی ایک جھوٹی خبر شائع ہوئی تھی۔ تو ساری پولیس کسے پوچھ کر وہاں پہونچ گئی تھی۔ اور حکام کسے پوچھ کر انتظام کرنے لگے تھے۔ پس پولیس بھی اور سول افسر بھی انتظام کر سکتے ہیں۔ ہم کیا تجویز بتا سکتے ہیں۔ یہاں تیں

ایک اور تجویز

کا بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ جو ایک افسر نے بتائی ہے۔ اور وُہ یہ کہ اس نے کہا۔ کہ ہم سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں۔ کہ

فریقین کی ضمانتیں

لے لیں۔ انگریزی کی ایک ضرب المثل کا ترجمہ ہے۔ کہ ضرر رسانی تو کی تھی۔ اس کے ساتھ ہتک بھی شامل کر دی۔ یہی حرکت اس افسر نے کی۔ اول تو احمدیوں پر ظلم ہوا۔ کہ ان کے عزیز ترین وجودوں پر حملہ ہوا۔ اس کے بعد انہیں یہ سُنایا گیا کہ اس کا علاج یہ ہے۔ کہ جماعت کے مرکز میں

احمدیت کے سرکردہ وجودوں کی بھی ضمانت

لے لی جائے۔ اور ان کے مقابل پر چند گداگروں کی بھی ضمانت لے لی جائے۔ اس وقت تک تو حکومت کی طرف سے اتنی ہی توجہ ہوئی ہے۔ آگے جو ہوگا۔ وُہ بھی واقعات بتا دیں گے۔

بہرحال ہمیں بعض اور سازشوں کا بھی علم ہے جنہیں ہم حکومت تک پہونچا دینگے۔ اور گو حکومت نے اس وقت تک ہم سے کوئی ہمدردی نہیں کی۔ مگر آخر ایک وقت آجاتا ہے۔ جب

ظلم برداشت نہیں ہو سکتا

ممکن ہے۔ کہ ایک وقت آئے جب حکومت یہ سمجھ لے۔ کہ اب ہمارے ماتحت افسر حد سے بڑھ رہے ہیں۔ لیکن اگر وُہ کچھ بھی نہ کرے تو بھی ہمارے ہاتھ مضبوط ہونگے۔ اور ہم دُنیا کو بتا سکیں گے۔ کہ ہم نے حکومت کو بروقت اطلاع دے دی تھی۔ مگر وہ کوئی انتظام نہ کر سکی۔

اس واقعہ کا

دوسرا اثر

حکومت پر ہے۔ ہم نے اس واقعہ سے پہلے اخبار میں شائع کر دیا تھا۔ کہ ایسا ہونے والا ہے۔ اور یہ بات دنیا سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جو بات اخباروں میں آجائے اس کا

کون انکار کر سکتا ہے

اب اگر حکومت بتا دے۔ کہ اس اطلاع پر اس نے کوئی کارروائی کی۔ تو ہم اپنی غلطی تسلیم کر لیں گے۔

حکومت کی طرف سے حفاظت

کے جو انتظام کئے جاتے ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ مثلاً وہی شخص جس نے میاں شریف احمد صاحب پر حملہ کیا۔ جب وُہ گھر سے نکلتا ہے۔ تو

دو یا زیادہ سپاہی

اس کے آگے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور رات کو جب وہ سوتا ہے۔ تو بھی دو سپاہی اس کے مکان پر پہرہ دیتے ہیں۔ ایک ذمہ وار افسر نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ سپاہی اس کے ساتھ اس لئے رکھے جاتے ہیں۔ کہ وہ کسی اور شرارت میں حصہ نہ لے سکے یا کسی سازش میں شریک نہ ہو۔ لیکن دیکھا گیا ہے۔ کہ جب وہ کسی مجلس میں جاتا ہے تو سپاہی ڈیوڑھی یا چوبارہ کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور جب وہ باہر آجاتا ہے۔ تو ساتھ ہو جاتے ہیں۔ گویا منصوبہ بازی سے روکنے کا یہ

نرالا طریق

ہے۔ کہ مجلس میں تو اکیلے شامل ہونے دیا جائے۔ اور چلتے وقت پہرہ ہو۔ گویا سوتے سوتے یا چلتے چلتے تو خطرہ ہے۔ کہ وہ کوئی منصوبہ نہ کرے۔ لیکن اپنی مخصوص مجلسوں میں بیٹھنے کی صورت میں اس کے متعلق کوئی اس قسم کا خطرہ نہیں۔ بہر حال سپاہی کسی غرض سے ہوں۔ مگر نظر آتے ہیں۔ اور جیسا کہ ایک بالا افسر نے بتایا ہے۔ وہ بالا افسروں کی طرف سے ہیں۔ مقامی پولیس کی طرف سے نہیں۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ سمجھیں۔ یہ حکومت کی طرف سے ہی انتظام ہے۔ پس گورنمنٹ جو کچھ کرتی ہے وہ نظر آجاتا ہے۔ گو میں یہ بھی مانتا ہوں۔ کہ جس طرح ہم غلطی کر سکتے ہیں۔

گورنمنٹ بھی غلطی کر سکتی ہے

مگر بہر حال اس کے اختیار کردہ طریق نظر ضرور آجاتے ہیں۔ اور ہماری اطلاعات کے باوجود حکومت نے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے اس کی طرف سے اس گلی میں پہرہ تک کا انتظام نہیں کیا گیا۔ ہزاروں لوگ گواہ ہیں کہ اس گلی میں پہرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور باوجود اس کے نہیں تھا۔ کہ حکومت کو بر وقت اطلاع دے دی گئی تھی۔ کہ اس

گلی میں ایسا حملہ ہونے والا ہے۔ حکومت کو اس حملہ آور کے آگے پیچھے رکھنے کے لئے تو سپاہی مل گئے۔ مگر اس کے لئے کوئی نہ مل سکا۔ کہ جس جگہ حملہ ہونے والا تھا باوجود اطلاع کے وہاں پہرہ مقرر کر دیا جاتا۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اور یقیناً ہم سمجھتے ہیں جس وقت یہ باتیں اوپر کے حکام کے پاس پہنچیں گی۔ تو وہ ضرور توجہ کریں گے۔

لوکل حکام

تو کئی ذاتی جھگڑوں میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن مرکزی حکومت ان باتوں سے بالا ہوتی ہے۔ بہر حال اس وقت تک ضلع کے حکام نے تو کوئی توجہ نہ کی تھی۔ اور پھر یہ بات ضلع کے حکام تک ہی محدود نہیں۔ اوپر کے بعض افسر بھی ایسا ہی سلوک کر رہے ہیں۔ اور ان کو بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے جب بھی کوئی شکایت ان کے پاس کی جاتی ہے، وہ کہہ دیتے ہیں احمدی مبالغہ کرتے ہیں "الفضل" میں جھوٹی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ایک دوست نے جب ایک سرکاری افسر سے ذکر کیا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے گذشتہ خطبہ میں برطانوی قوم کی تعریف کی ہے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا۔ اگلے خطبہ میں کہدیں گے۔ کہ

بعض افسر غدار ہیں

یہ ایک ذمہ وار افسر کا بیان ہے جس کے متعلق کسی کو امید نہ ہو سکتی تھی۔ کہ وہ ایسا بے قابو ہو جائے گا۔

غرض یہ وقوعہ جو ہوا اس کے پہلے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔

مرکزی حکومت

پر تو کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ شائد اسے اتنا موقعہ نہیں ملا۔ یا وہ لاہور کے کاموں میں پھنسی ہوئی تھی۔ مگر ضلع کے حکام ایسے حالات میں نہ تھے۔ اور وہ اگر چاہتے تو انتظام کر سکتے تھے۔

کہتے ہیں کہ

بوجھ کا آخری تنکا

اونٹ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ بہت سے افسر ایسے گذرے ہیں۔ جو فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے

حسن سلوک سے

پچاس ہزار یا لاکھ۔ بلکہ کئی لاکھ کی ایک ایسی جماعت ہندوستان میں چھوڑی ہے جو اپنی جانیں قربان کر کے بھی برطانیہ سے تعاون کرے گی۔ مگر موجودہ افسر جا کر کیا کہہ سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ صاحب فخر نہ کریں ہم اس جماعت کے دلوں کو توڑ کر آئے ہیں۔ کیا یہ بات ان کی اپنی یا ان کی

حکومت کی شہرت

کا موجب ہوگی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اب اگر یہ جماعت تعاون کرے گی۔ یا قانون شکنی نہ کرے گی۔ تو اس وجہ سے کہ ان کے مذہبی حکم کے خلاف ہے۔ اور اگر قانون شکن جماعتوں کے ساتھ نہ ملے گی۔ تو اپنے خلیفہ کے ڈر کی وجہ سے ورنہ جو حالات ہمارے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ہمارے لوگ ان لوگوں سے جا ملتے۔ جو ملک کے قوانین کو توڑ کر حکومت کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ خدا اور اس کے رسول اس کی کتاب اور خدا کے مامور نے باندھ دیئے ہیں۔

بعض حکام کے افعال

نے جماعت احمدیہ کو ایک مشین بنا دیا ہے جو قانون کی پابندی کرتی ہے۔ اور کرے گی۔ لیکن مشین اپنا رستہ چھوڑ کر آقا کی خدمت نہیں کر سکتی۔ ایک پانچ روپیہ کا نوکر اپنا رستہ چھوڑ کر بھی دیکھیگا۔ کہ

مالک کا نقصان

نہ ہو۔ مگر دس لاکھ کی مشین اس کا کوئی خیال نہیں رکھ سکتی۔ بلکہ وہ اپنے رستہ پر چلتی جائے گی۔ تو ان حکام نے جماعت کو ایک مشین بنا دیا ہے۔ پہلے وہ اپنا رستہ چھوڑ کر بھی اس امر کا خیال رکھتی تھی۔ کہ حکومت برطانیہ پر کوئی حرف نہ آئے۔ مگر اب وہ ایسا کہاں کرے گی۔ جب تک کہ حکومت کی طرف سے اس

ہتک کا ازالہ

نہ کیا جائے۔ اور ان حالات کے ذمہ وار حکام کو سزا نہ دی جائے۔

ایک ایسی افسر کی شکایت اوپر کی گئی تھی جماعت کی طرف سے نہیں، بلکہ بعض لوگوں نے کی تھی۔ اور وہ اس معاملہ میں اتنا کھلا مجرم تھا۔ کہ اگر سچ بولتا۔ تو ضرور پکڑا جاتا۔ میں نے اُسے کہلا بھیجا۔ کہ تم

دو آگوں میں سے ایک میں

ضرور مبتلا ہو گے۔ اگر سچ بولو تو حکومت سے سزا پاؤ گے۔ اور اگر جھوٹ بولو۔ تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ اس وقت تو اس نے ہنس کر کہا کہ نہیں میں ضرور سچ بولوں گا۔ مگر جب اس سے جواب طلبی ہوئی۔ تو اس نے صاف جھوٹ بول دیا۔ اور اس طرح

خدا کی آگ

کو اختیار کر لیا۔ حالانکہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں۔ یہاں بڑے بڑے امراء کروڑ پتی۔ بادشاہ سب سو پچاس سال جیتے۔ اور پھر مر جاتے ہیں۔

اصل زندگی

وہی ہے۔ جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ جھوٹ بول کر حکومت کے عذاب سے بچ گیا۔ لیکن مرنے کے بعد وہ جس عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں

حکومت کی سزا

کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔

پس ایسے لوگوں کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔ یا تو حکومت سے سزا پائیں اور یا

مرنے کے بعد

خدا کے ہاتھ سے۔ ایسے لوگ ذاتی طور پر بھی فائدہ میں نہیں رہتے۔ یا تو ان کی عاقبت خراب ہوتی ہے۔ اور یا پھر اسی دنیا میں برباد ہو جاتے ہیں۔ آج نہیں تو کل حکومت کو پتہ لگے گا۔ اور وہ ضرور سزا دے گی۔

غرض

حکومت پر اس واقعہ کا اثر

یہ ہوا ہے۔ کہ ایک اعلےٰ درجہ کی تعاون کرنے والی جماعت کو اس نے کھو دیا ہے اور اب وہ صرف قانون کی حد تک اس کے ساتھ تعاون کرے گی۔ اور یہ بھی میرے مجبور کرنے پر ورنہ بعض احمدی تو ایسے جوش میں ہیں۔ کہ شائد اس مسئلہ کو بھی بھول جائیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ نے مجھے توفیق دی ہے۔ کہ میں

---

* پرسوں رات کے دو بجے دفتر منیجر الفضل کے چار دفتری اور ایک کلرک ایک کام کے لئے دفتر آئے اس گلی سے۔ ان کا حلفیہ بیان ہے۔ کہ آتے اور جاتے انہوں نے دو سپاہی وہاں پہرہ پر دیکھے۔

جوش کی حالت میں

بھی اصل راستہ کو نہیں بھولتا۔ اس لئے میرے مجبور کرنے پر وہ تعاون کریں گے۔ ورنہ بہت سے لوگ انتہا پسند جماعتوں سے جا ملتے۔

اس افسر نے جو یہ کہا کہ کل کہدینگے بعض افسر غدار ہیں۔ میں ضمناً اس کا بھی جواب دیدینا چاہتا ہوں۔ اور اس کو اور اس کے ہم خیالوں کو بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ کہنا کہ برطانوی حکومت اور برطانوی قوم اچھی ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ کہنا کہ

پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسر

غدار ہیں۔ دونوں باتیں ایک وقت میں موجود ہو سکتی ہیں۔ قوم کی تعریف کے یہ معنے نہیں کہ اس کے سارے افراد اچھے ہیں

سب سے اچھی قوم

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی تھی۔ مگر کیا اس وقت برے آدمی نہ تھے کیا ان میں سے بعض کو قرآن کریم میں منافق نہیں بتایا گیا؟ پس اگر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جو لوگ جمع ہوئے وہ بہترین لوگ تھے۔ یہ کہنے سے کہ ان میں سے بعض منافق بھی تھے۔ کوئی حرج نہیں ہوتا۔ تو اگر میں یہ کہوں کہ

برطانی قوم اچھی ہے

مگر اس کے بعض افسر غدار ہیں۔ تو کیا حرج ہے۔ پھر میں اپنی جماعت کے متعلق سمجھتا ہوں۔ کہ وہ بڑی اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ اور بلند اخلاق کی مالک ہے۔ لیکن اس کے باوجود کئی خطبات میں یہ بیان کر چکا ہوں۔ کہ اس میں بعض منافق بھی ہیں اگر میں ایک ہی وقت میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جماعت احمدیہ اخلاق شرافت اور قابلیت میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ بھی کہ اس میں بعض منافق بھی ہیں۔ تو یہ کیوں نہیں کہہ سکتا۔ کہ برطانی قوم بہت اچھی ہے۔ مگر پنجاب گورنمنٹ کے

بعض افسر غدار بھی ہیں

غالباً ان صاحب کو کثرت کار کی وجہ سے اپنی تاریخ کے مطالعہ کا بھی موقعہ نہیں ملا۔ بلکہ اگر وہ اخبارات کا مطالعہ ہی باقاعدہ کر سکتے۔ تو انہیں یاد ہونا چاہیئے تھا۔ کہ ایک ہی سال ہوا کہ

برطانی فوج کے ایک میجر

نے ایک نہایت اہم راز ایک مشہور کیمیکل فرم کے پاس فروخت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر پکڑا گیا۔ پھر اس سے سال بھر پہلے ایک برطانی لفٹیننٹ نے ایک جرمن عورت کی محبت اور کچھ نقدی کے لالچ کی وجہ سے ایک اہم راز فروخت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر پکڑا گیا اور اب جیل میں ہے۔ پھر شاید اس افسر کو معلوم نہیں کہ کہ جنگ کے دنوں میں ایک سیکرٹ محکمہ تھا۔ اس کی شائع کردہ رپورٹ کے بعض حصے میں نے پڑھے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درجنوں اور بیسیوں ایسے انگریز پکڑے گئے تھے۔ جو غیر ملکیوں کو اپنی خبریں دیتے تھے۔ اور انہیں سخت سزائیں دی گئیں۔ پھر یہ افسر اگر کتابیں نہ پڑھ سکتے ہوں۔ تو شملہ میں ہی ان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک اور افسر رہتے ہیں۔ جو بہت لائق اور شریف انگریز ہیں جنگ کے دنوں میں وہ ایک خاص کام پر مامور تھے۔ جس کا میں نام نہیں لیتا۔ اگر یہ افسر عند الملاقات ان سے دریافت کریں تو وہ بتا دیں گے۔ کہ جنگ کے دنوں میں بعض

انگریز افسر

بھی غداری کیا کرتے تھے۔ اور جب جنگ کے دنوں میں بعض لوگ ایسا کر سکتے تھے۔ تو کیوں امن کے دنوں میں ایسا نہیں کر سکتے۔ حال میں ایک جرمن مصنف نے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ لارڈ کچنر کا جہاز جن کے مرنے پر تمام انگلستان میں ماتم بپا ہو گیا تھا۔

دو انگریز افسروں کی سازش

سے ہی ڈبویا گیا تھا۔ پس وہ کون سی قوم ہے جس میں غدار نہیں ہو سکتے بعض قومیں ان کی موجودگی میں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ اور بعض خراب ہو جاتی ہیں۔ جن میں غدار زیادہ ہو جائیں۔ وہ تباہ ہو جاتی ہے اور جن میں کم ہوں وہ اچھی رہتی ہے۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ برطانوی قوم اچھی ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اس کے بعض افسر غدار ہیں۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ اس قوم میں غدار تھوڑے ہیں اور اگر یہ بات کسی کو بری لگتی ہے تو مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ انگریز قوم میں برے لوگ تھوڑے ہیں اور اچھے زیادہ۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میرا یہ کہنا کہ بعض افسر غدار ہیں۔ بعض افسروں کو برا لگتا ہے۔ مگر بعض کو نہیں بھی لگتا۔

سر اویلین ہاول

گورنمنٹ آف انڈیا کے فارین سکرٹری تھے ایک دفعہ مولوی عبد الرحیم صاحب درد ان سے ملنے گئے۔ کشمیر کے متعلق کوئی معاملہ تھا۔ درد صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں۔ ریاستی پولیس میں سارے افسر اچھے نہیں ہوتے۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں۔ ہماری پولیس کے بھی بعض افسر برے ہوتے ہیں۔ ہماری پولیس کی برائت کی ضرورت نہیں پس جو افسر اصلاح کو مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ ان باتوں پر برا نہیں مناتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ غدار ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے قوم کی طاقت اس میں ہوتی ہے کہ

غداروں کی اصلاح

کی جائے۔ جو قوم غداروں کو چھپاتی ہے وہ اپنی محبت دلوں سے نکال دیتی ہے غداروں کی اصلاح سے پرسٹیج کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑھتا ہے۔ مگر بعض افسروں کو پھر بھی یہ بات بری لگتی ہے۔ اس کے برخلاف میرا یہ کہنا کہ انگریز قوم اچھی ہے ہماری جماعت کے بعض افراد کو اب برا لگتا ہے۔ اور ملک کی بعض دوسری قوموں کو بھی۔ مگر مجھے اس کی پروا نہیں۔ میرے سامنے ہمیشہ

نجاشی کا قول

رہتا ہے۔ جو حبشہ کا بادشاہ تھا۔ وہی حبشہ جس پر اٹلی حملہ کر رہا ہے۔ جب کفار کے مظالم سے تنگ آ کر بعض صحابہ اس کے ملک میں ہجرت کر گئے۔ تو کفار نے دو آدمی بہت سے تحائف وغیرہ دے کر اس کے پاس بھیجے۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ آپ سے ہماری ہمیشہ صلح رہی ہے۔ ان لوگوں کو واپس کر دیں۔ جب وہ لوگ درباریوں کو رضامند کرنے کے بعد پیش ہوئے تو اس نے صحابہ کو بلایا۔ اور ان سے حالات دریافت کئے۔ اور ان کے حالات سن کر انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر پھر مکہ کے سفیروں نے امراء سے مل کر اس پر زور ڈالا۔ اور اس دفعہ اسے یہ کہہ کر جوش دلانا چاہا۔ کہ یہ لوگ مسیح کو گالیاں دیتے ہیں۔ جس طرح آج ہمارے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ ہم نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک کرتے ہیں اس پر اس نے صحابہ کو پھر بلوایا۔ اور پوچھا کہ

حضرت مسیح کے متعلق

تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا خدا کی قسم میں مسیح کو اس درجہ سے اس تنکا کے برابر بھی کم و بیش نہیں سمجھتا۔ میرا ایمان بالکل یہی ہے۔ ایک عیسائی بادشاہ کے منہ سے یہ بات سن کر درباری جوش میں آ گئے۔ اور کہا کہ تم کافر ہو گئے ہو۔ جو خدا کے بیٹے کو انسان کہتے ہو اور معمولی نبی۔ تمہیں اس کے انجام کا علم ہے تب اس نے کہا کہ تم کو معلوم ہے۔ میں چھوٹا بچہ تھا۔ کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور میرے گارڈین نے چاہا کہ مجھے تخت سے محروم کر دے اور تم سب اس کے ساتھ سازش میں شریک ہو گئے۔ کوئی ایک بھی میرے ساتھ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرا ساتھ دیا اور جس خدا نے مجھے یہ تاج و تخت دلوایا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ اس کے مقابلہ میں میں تمہاری کوئی پروا کروں گا۔

جاؤ جو تمہارا دل چاہے کرو

میرا بھی سچائی کے بارہ میں یہی حال ہے۔ اس کے مقابل میں مجھے نہ حکومت کی پروا ہے۔ نہ رعایا کی اور نہ اپنی جماعت کی۔

میری حالت

بھی بالکل بچہ کی سی تھی۔ اور جماعت کا غالب عنصر جانی دشمن تھا۔ اس وقت اللہ تعالے نے میری حفاظت کی۔ اور مجھے وہ کچھ دیا۔ جو کوئی انسان نہیں دے سکتا پس

خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں

مجھے نہ بادشاہوں کی پرواہ ہے نہ حکومتوں کی۔ اور نہ رعایا کی۔

میرا عقیدہ

اس وقت تک یہی رہا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے برطانوی قوم کو ایک خاص خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور وُہ اسے دُنیا میں امن وامان قائم کرنے کا ایک ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ بھی بالکل ممکن ہے۔ کہ قوم خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپکو اس نعمت سے محروم کردے۔ لیکن اگر ایسا ہُوا۔ تو اللہ تعالےٰ اپنے نشانوں سے اسے ظاہر کرے گا۔ اس لئے اس عارضی جوش کی وجہ سے یا کسی انگریز افسر کے سلوک کے خیال سے میں اس رائے کو بدل نہیں سکتا بے شک بعض افسر بھی کہتے ہیں۔ کہ تم لوگ فسادی ہو۔ جھُوٹ بولتے ہو۔ ادھر جماعت کے لوگوں کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ جو مجھے اس عقیدہ کو ترک کردینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مگر مجھے سچائی کے معاملہ میں نہ حکومت کی پرواہ ہے۔ نہ جماعت کی۔ میں جو سچ سمجھتا ہُوں۔ اسے بے لاگ ظاہر کرتا رہوں گا۔ اور اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتا ہُوں۔ کہ مجھے اس کی توفیق دے۔ پس

یہ ایک حقیقت ہے۔

جس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا۔ اب تک میرا یہی خیال ہے۔ کہ انگریز قوم مجمُوعی طور پر دوسری قوموں سے اچھی ہے لیکن قوم سے میری مراد سیاسی قوم ہے۔ اور یہ بھی مجھے یقین ہے۔ کہ بعض افسر غدّار ہیں اور رہے ہیں۔ اور اسوقت بھی

پنجاب گورنمنٹ میں

بعض ایسے افسر ہیں۔ جن کا رویہ ہمارے خلاف ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ اگر حکومت نے آزاد کمیشن بٹھایا۔ تو ہم ان کے نام۔ اور حالات بھی ظاہر کردیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ انگریزوں میں فلاں نقص ہے۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کون ہے۔ جو نقائص سے خالی ہو۔ کسی فرد کے نقص سے قوم بُری نہیں ہوسکتی۔ حضرت مسیح ناصری کا قول مجھے کتنا پیارا لگتا ہے۔ لوگوں نے ایک عورت کو پکڑا۔ اور کہا۔ کہ ہمارے مولوی تو رشوت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ چلو اسے مسیح کے پاس لے چلیں۔ حضرت مسیح ایک کھلی مارکیٹ میں کھڑے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ اے استاد یہ عورت بدکار ہے۔ اور ہم نے اسے بدکاری کی حالت میں پکڑا ہے۔ بتاؤ خدا کے قانون کے ماتحت اس کی کیا سزا ہے۔ حضرت مسیح نے کوئی ایسا جواب دیا۔ کہ وُہ مطمئن نہ ہوئے اور کہا۔ کیا ایسے مجرم کے لئے سنگساری کی سزا نہیں۔ حضرت مسیح نے کہا۔ کہ ہاں لکھی ہے۔ مگر اس پر پہلا پتھر وُہ پھینکے جس نے کبھی کوئی شرعی گناہ نہ کیا ہو اس پر سب آہستہ آہستہ کھسک گئے۔ اور وہاں صرف ایک ہی شخص رہ گیا۔ جسے اللہ تعالےٰ نے

شرعی گناہوں سے پاک

رکھا ہُوا تھا۔ اور وُہ مسیح علیہ السلام تھا (کیونکہ خدا تعالےٰ کے سب نبی شرعی کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں) صرف وہی تھا۔ جو اس عورت پر پتھر پھینک سکتا تھا۔ مگر اس نے جا کر اس عورت کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ بیٹی جاؤ۔ پھر گناہ نہ کرنا۔ پس خدا تعالےٰ کے بنائے ہوئے معصوموں کے سوا کون ہے۔ جو کہہ سکے۔ ہم سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ پھر کسی فعل کے متعلق ہم یقینی طور پر یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ بددیانتی سے تھا۔

پس جب تک ہمیں کوئی

آسمانی ثبوُت

اس کے لئے نہ مل جائے۔ کہ یہ قوم بگڑ گئی ہے چاہے دوست کتنا ناراض ہوں اور دس دس صفحات کے خطوط کیوں نہ لکھیں۔ اس بارہ میں میرا دل ایک مضبُوط چٹان کی طرح ہے۔ میں آنکھوں سے سب باتیں دیکھنے کا عادی ہُوں۔ اور قلب سے فیصلہ کرتا ہوں۔ اس لئے مجھ پر اثر نہیں ہوسکتا۔ پنجاب اور ہندوستان کی حکومت میں ایسے افسر گذرے ہیں۔ اور جو ابھی تک زندہ ہیں۔ کہ ان کے انصاف کو دیکھتے ہوئے انگریز قوم کو بُرا نہیں کہا جاسکتا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مکہ کو گئے۔ تو اس مقام پر اہل مکہ کی طرف سے ایک معزز شخص صلح کے لئے آیا۔ آپ اس کے سامنے بیٹھے اس سے گفتگو کررہے تھے۔ کہ اس نے آپ کی

ریش مبارک کو ہاتھ

لگا کر کہا۔ دیکھو بچے۔ اس پر صحابہ کا خون کھولنے لگا۔ ایک صحابی کھڑے تھے۔ ان کے سر پر خود تھا۔ انہوں نے اسے تلوار کا کُندا مارا۔ اور کہا۔ کہ اپنے نجس ہاتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کو مت لگا۔ وُہ شخص اہل مکہ کا بڑا محسن تھا اور کم ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس پر یا جس کے والدین پر اس نے کوئی احسان نہ کیا ہو۔ اس نے اس صحابی کی طرف غور سے دیکھا۔ اور کہا کہ کیا فلاں موقعہ پر میں نے تم پر احسان نہ کیا تھا۔ اس پر اس صحابی کی آنکھیں شرم سے نیچی ہوگئیں۔ اور وُہ کچھ نہ کہہ سکے۔ اس کے بعد اس نے غرور کے اظہار کے لئے۔ اور یہ جتانے کے لئے کہ میں سب کا محسن ہُوں، پھر آپ کی ریش مبارک کو چھُوا۔ اس پر پھر ایک صحابی نے اسی طرح کیا۔ اور وُہی الفاظ کہے۔ اس نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ اور غور کرنے کے بعد کہا۔ کون ہے ابن ابی قحافہ۔ پھر کہا۔ ہاں تم پر میں کوئی احسان نہیں جتا سکتا یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس مجلس میں مہاجرین میں سے صرف آپ ہی تھے جو اس کے احسان کے نیچے نہ تھے۔ اس لئے اس نے آنکھیں نیچی کرلیں۔ تو احسان کا یہ اثر ہوتا ہے۔ لیکن

مخالف حالات میں انصاف

بھی احسان ہی ہوتا ہے۔ اس وقت بعض حکام کو ہمارے ساتھ انصاف سے کونسی چیز روک رہی ہے۔ صرف یہی کہ معیار ٹی ہمارے خلاف ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں جو ہمارے ساتھ انصاف کرے۔ اسے بھی ہم احسان ہی سمجھتے ہیں۔ کسی نے کسی کا قرض دینا ہو۔ وُہ روز اس سے مانگے۔ مگر وُہ نہ دے۔ لیکن ایک دن ایسی حالت ہو جائے۔ کہ اس کے بیوی بچے فاقہ سے سخت تکلیف میں ہوں۔ اور اس وقت اس کا قرضدار روپیہ کی ادائگی کا انتظام کردے تو کیا وُہ اسے احسان نہیں سمجھے گا۔ پس مخالف حالات میں انصاف بھی احسان ہوجاتا ہے۔ غور کرو جس قوم میں وُہ شخص پیدا ہُوا ہو۔ جس کی حضرت مسیح موعوُد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریف کی۔ اور اسے اپنے زمانہ کا پیلاطوس قرار دیا۔ یعنے جس

قوم کا ایک فرد
کیپٹن ڈگلس

ہو۔ جو اب تک زندہ موجود ہے۔ ہم اسے کس طرح بُرا کہہ سکتے ہیں۔ کیپٹن موصوف کا اپنا بیان ہے۔ کہ اس وقت کے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے انہیں بلا کر کہا۔ کہ یہ شخص عیسائیت کا سخت مخالف ہے۔ اس لئے اس کے مقدمہ کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ جس کے صاف معنے یہ تھے کہ اسے ضرور سزا دو۔ مگر میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا تھا۔ کہ یہ بددیانتی مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ باوجود اس کے کہ ایک انگریز کہلانے والے (کہلانے والا میں اس لئے کہتا ہوں۔ کہ وُہ دراصل ہندوستانی تھا۔ مگر ایک انگریز نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا) کی طرف سے مقدمہ تھا۔ صوبہ کا سب سے بڑے افسر کا رجحان تھا۔ کہ سزا دیجائے۔ اور کپتان موصوف خود اتنے متعصب تھے۔ کہ جب وُہ اس ضلع میں آئے۔ تو کہا کہ یہ شخص عیسائیت کا اتنا مخالف ہے۔ اسے اس وقت تک سزا کیوں نہیں دی گئی لیکن جب مقدمہ پیش ہُوا۔ تو انہوں نے شکل دیکھتے ہی کہدیا۔ کہ

یہ شخص ملزم نہیں ہوسکتا

ان کے ایک ماتحت افسر جو اب تک زندہ ہیں ان کا بیان ہے۔ کہ بٹالہ میں پیشی کے بعد جب کپتان موصوف سٹیشن پر آئے۔ تو نہایت بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ بالکل پاگلوں کی سی حالت تھی۔ اور رنگ فق تھا۔ میں نے کہا۔ کہ صاحب آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ ویٹنگ روم میں تشریف رکھئے۔ مگر انہوں نے کہا۔ کہ نہیں میں بیمار نہیں ہوں۔ مجھے ٹہلنے دو۔ لیکن پھر میں نے یہی حالت دیکھی۔ تو پھر جا کر کہا۔ اس پر وُہ اندر تو آگئے۔ مگر کہنے لگے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب۔ میرے دل پر ایسا بوجھ ہے۔ کہ ڈر ہے۔ کہیں پاگل نہ ہوجاؤں۔ گواہیوں سے مرزا صاحب کا جرم بالکل ثابت ہے۔ مگر میں جس طرف جاتا ہوں۔ ان کی شکل میرے سامنے آتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ میں مجرم نہیں ہوں میں مجرم نہیں ہوں۔ اور یہ ایسی حالت ہے۔ کہ میں شاید پاگل ہوجاؤں گا۔ میں نے

کہا۔ کہ آپ D.C. کو بلائیں۔ اور ان سے مشورہ کریں۔ چنانچہ انہیں بلایا گیا۔ ان کا نام اریمار جنٹ تھا۔ وہ تو شاید اب فوت ہو چکے ہیں۔ مگر ان کے بڑے لڑکے اس وقت فوج میں لفٹیننٹ ہیں۔ D.C. صاحب نے کہا کہ میں خود اس مقدمہ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ گواہ مشن والوں کے قبضہ میں ہے اسے آپ میرے حوالہ کر دیں۔ میں اس سے حقیقت حال معلوم کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اسے جب D.C. نے پوچھا کہ اصل معاملہ کیا ہے تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ صاحب نے کہا۔ کہ تسلی رکھو اب تمہیں

مشن والوں کے حوالہ

نہیں کیا جائے گا۔ مگر وہ سخت ڈرا ہوا تھا۔ آخر اسے بہت تسلی دی گئی۔ کہ اب تم مشن والوں کے پاس نہیں جاؤ گے تو وہ قدموں پر گر گیا۔ اور اس نے کہا کہ میں کسی لالچ اور غرض کے لئے ان کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مجھے ڈرایا کہ تم کو چور قرار دے کر پولیس کے سپرد کر دیں گے ورنہ کہو۔ کہ مجھے مرزا صاحب نے پادری صاحب نے قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آخر مقدمہ چلا۔ اور کیپٹن ڈگلس نے فیصلہ کیا۔ کہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیسی پادریوں پر مقدمہ کرنے کی اجازت دیدی۔ کیونکہ اصل قصور انہی کا ثابت ہوا تھا۔ مگر آپ نے مقدمہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ صوبہ کا ذمہ دار افسر توجہ دلاتا ہے کہ سزا دی جانی چاہیئے۔ مجسٹریٹ خود متعصب ہے۔ لیکن جب اسے یقین ہو جاتا ہے۔ کہ آپ سچے ہیں۔ تو وہ قطعاً اس بات کی پروا نہیں کرتا۔ کہ مقابل پر انگریز مدعی ہے۔ صوبہ کا بڑا افسر سزا دلوانا چاہتا ہے۔ اور یہ شخص میرے اپنے مذہب کا سخت مخالف ہے اس پر کوئی بات اثر ہی نہیں کرتی اور وہ آپ کو صاف بری کر دیتا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے

یہ ایک مثال ہے

مگر میں کہتا ہوں۔ بعض منفرد مثال بہت بڑا اثر پیدا کر دیا کرتی ہے۔ حضرت ہاجرہ ایک ہی عورت تھیں۔ مصر کی رہنے والی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیاہی گئیں

لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دن صحابہ سے فرمایا۔ کہ جس دن مسلمان مصر فتح کریں۔ مصریوں کا لحاظ رکھیں۔ کیونکہ ہماری دادی وہاں کی تھی۔ دو ہزار سال پہلے کی ایک لڑکی کا کتنا لحاظ ہے۔ پھر سارے طائف کی عورتوں نے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دودھ نہ پلایا تھا۔ لیکن جب اہل طائف نے ایسی جنگ کی۔ کہ قریب تھا۔ سارے مسلمان مارے جاتے۔ مگر آخر وہ قید ہو گئے تو آپ نے ایک مہینہ تک ان کے اموال کو تقسیم نہیں کیا۔ ایک ماہ کے بعد جب آپ کی رضاعی بہن آئیں تو آپ نے فرمایا۔ بہن میں تو ایک ماہ پورا تمہارا انتظار کرتا رہا۔ انتظار کے بعد مال تقسیم کیا ہے۔ اب تم یا تو مال لے جاؤ اور یا قیدی۔ اس نے قیدیوں کو ترجیح دی اور آپ نے ثقیف کے سب قیدی رہا کر دیئے۔ پس ہم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

کے تابع ہیں۔ کم از کم جب تک کیپٹن ڈگلس زندہ ہے۔ انگریز قوم کے سامنے میری آنکھ تو نہیں اٹھ سکتی۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کے مقابلہ میں ہماری تکالیف کوئی حقیقت رکھتی ہیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمیں خواہ کس قدر بھی تکالیف دی جائیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے۔ اگر تمہیں یہ پسند ہے تو پھر اس واقعہ کو موجودہ واقعات پر جو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا تم کو انکار نہیں ہو سکتا اس وقت اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر داغ لگ جاتا۔ تو وہ بہت زیادہ تکلیف وہ بات ہمارے لئے ہوتی پس ہم

موجودہ ظالم انگریزوں کے فعل کی وجہ سے

اس منصف انگریز کے فعل کو کس طرح بھول سکتے ہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچی محبت رکھنے والے تو قیامت تک اس فعل کو نہیں بھولیں گے اور کیپٹن ڈگلس کی عزت بہت سے بادشاہوں سے بھی زیادہ کی جائیگی اور اس کی وجہ سے ساری انگریز قوم سے حسن سلوک کیا جائیگا۔ پھر اسی پنجاب

میں سر ایڈورڈ وائر جیسا آدمی بھی گذرا ہے ان کے زمانہ میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر نے میرے ساتھ سخت لہجہ میں گفتگو کی۔ اور سر موصوف کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے اسے پہلے بدل دیا اور پھر اس کا تنزل کر دیا۔ اور آخر اسے ریٹائر ہو کر واپس جانا پڑا وہ فخر سے کہا کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے ایک ہندوستانی کے مقابل پر ایک انگریز افسر کو سزا دی بے شک وہ ڈپٹی کمشنر مجرم تھا۔ اور میں حق پر تھا مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ اس سے پہلے حکام پر یہیچ کے خیال سے

ہندوستانی کی ہتک کا خیال

نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر اسی صوبہ میں

سر جیفری ڈی مونٹ مورنسی

جیسے انسان بھی گذرے ہیں۔ آج بھی یہ لوگ ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں سر تھامسن چیف کمشنر دہلی کے متعلق مجھے یاد نہیں۔ کہ ہم نے انہیں کوئی پیغام بھیجا ہو۔ اور انہوں نے فوراً خندہ پیشانی سے ہمارا کام نہ کر دیا ہو۔ حالانکہ بعض اوقات ان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ پھر اسی ضلع میں منصف افسر رہے ہیں۔ مباہلہ والوں کی شورش کے ایام میں بھی انگریز ڈپٹی کمشنر تھے۔ جو اچھی طرح انصاف کرتے رہے۔ ان سے پہلے یہاں ایک ڈپٹی کمشنر

مسٹر واٹسن

گذرے ہیں۔ میں جب انگلستان گیا۔ تو وہ لنڈن میں مجھ سے ملنے آئے۔ حالانکہ وہ کہیں باہر رہتے تھے۔ پھر یہاں

مسٹر اوگلوی

رہے ہیں۔ ان سے بھی جن لوگوں کو واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ نہایت منصف اور دلیر آدمی تھے۔ بعد میں وہ پنجاب گورنمنٹ میں ہوم سکرٹری ہو گئے۔ جب مذبح کے گرائے جانے کے ایام میں یہاں تعزیری پولیس کا سوال پیدا ہوا۔ تو میں نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو ان کے پاس بھیجا۔ کہ قادیان کا نام اس میں رکھنا غلطی ہے کیونکہ قادیان ہمارا مذہبی مرکز ہے انہوں نے پہلے کہا کہ جماعت احمدیہ کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ مگر چوہدری صاحب نے کہا کہ

قادیان کے تقدس کا تقاضاء

ہے۔ کہ وہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی

مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اور انہوں نے ایسا ہی کر دیا اور کہا۔ کہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ مقدس مذہبی مراکز کا احترام کرے اور قادیان کا نام نکال دیا۔ اب بتاؤ ایسے لوگوں کی موجودگی میں تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ پنجاب گورنمنٹ بری ہے۔ مباہلہ والوں کی شورش کے ایام میں یہاں پہلے مسٹر لین رابرٹ تھے پھر مسٹر مارسڈن اور پھر مسٹر جنکنز ڈپٹی کمشنر رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں ملک میں بہت فسادات ہو رہے تھے۔ انہوں نے انصاف کو قائم رکھا۔ میں سرہاول کا نام پہلے لے چکا ہوں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ اول درجہ کے

نیک اور شریف افسر

تھے۔ میرے ساتھ ان کو جیسی عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ میرے ایک عزیز کے خلاف ان کے انگریز افسر نے بالا افسروں کے پاس شکایت کی۔ مجھے پہلے تو علم نہ ہوا مگر جب علم ہوا۔ تو میں نے سرہاول کو کہلا بھیجا کہ درست واقعات یوں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا تعلق تو نہیں۔ لیکن میں کوشش کرونگا۔ اس کے متعلق انہوں نے اس صیغہ کے افسر کو جو چٹھی لکھی۔ اس کی ایک نقل مجھے بھی مل گئی انہوں نے اس میں لکھا کہ گو شکایت کرنیوالا انگریز ہے مگر مجھے جماعت احمدیہ کے امام کی طرف سے ان کے سکرٹری نے بتایا ہے کہ واقعات یوں ہیں۔ اور اگرچہ واقعات ان کے چشم دید نہیں لیکن مجھے ان پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں وہ کوئی بات بغیر تصدیق کے پیش نہیں کر سکتے۔ اس لئے انکی بات ضرور سچی ہے۔ پس آپ اس معاملہ کی بذات خود تحقیق کریں صرف رپورٹ پر انحصار نہ کریں۔ ابھی ابھی درد صاحب ان سے ملے تھے۔ اور انہیں موجودہ حالات سناتے تھے انہوں نے سن کر کہا کہ آپ کی جماعت تو مذہبی جماعت ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ اس حکومت کے اوپر ایک اور حکومت ہے۔ اس لئے جو افسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ وہ سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے اور میں امید کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے آپ ہماری دوستی کو نہیں توڑیں گے۔ ان کے علاوہ ہزاروں افسر ایسے ہی ہونگے جنکے ہم واقف نہیں کیونکہ واقفوں کی قلیل تعداد میں سے اگر اتنے اچھے آدمی ہمیں معلوم ہوئے ہیں تو جن سے ہم واقف نہیں انہیں بھی ضرور ایسے آدمی ہونگے۔ وہ ایک مثال مجھے اور یاد آگئی وہ انگریز سشن جج جن کے پاس مولوی کرم دین والے مقدمہ کی اپیل پیش ہوئی تھی انکا

(متصلہ از ... یہ بھی ہیں نہیں بھول سکتا)

پھر کس طرح چند آدمیوں کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ پنجاب گورنمنٹ بُری ہے۔ یا برطانوی قوم بُری ہے۔ اس قوم کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ اور پیشگوئیاں اسی وقت منسوخ ہوتی ہیں رجب قوم مجموعی طور پر بگڑ جائے لیکن ان سب باتوں کے باوجود ایک چیز ہے جسے ان لوگوں کی موجودگی بھی نہیں روک سکتی۔ اور وہ یہ کہ ہم پر ایسا

کھلا کھلا ظلم

کیا گیا ہے۔ اور ایسی ہتک کی گئی ہے۔ کہ جب تک اس کا ازالہ نہ کیا جائے۔ ہم ایسا تعاون نہیں کر سکتے۔ جیسا پہلے کرتے رہے ہیں۔ اسی لئے میں نے صدر انجمن سے کہا ہے۔ کہ حکومت پنجاب سے فیصلہ کرے کہ وہ ازالہ کے لئے تیار ہے یا نہیں۔ اگر وہ تیار نہ ہو۔ تو ہم اوپر جائیں۔ اور اس کے بھی توجہ نہ کرنے کی صورت میں پھر ہم وہ سکیم اختیار کریں۔ جو میرے ذہن میں ہے۔ اس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ

عقل کو جذبات کے تابع

نہ کرو۔ چند حکام کی وجہ سے حکومت بُری نہیں ہو سکتی۔ اور چند افراد کی وجہ سے انگریز قوم بُری نہیں بن سکتی۔ جس طرح چند احرار کی وجہ سے ساری مسلمان قوم کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ جس طرح "ملاپ" "پرتاپ" کے کسی نوٹ لکھ دینے سے ہندو قوم کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ میرے پاس کئی

ہندوؤں کے خطوط

آئے ہیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں دونوں فریق کا لٹریچر پڑھتا ہوں۔ اور ہندو قوم میں میرے برابر دونوں فریق کا لٹریچر پڑھنے والا شاید کوئی اور آدمی نہ ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کو فتح دے گا۔ اگر آپ لوگ "پرتاپ" یا "ملاپ" کے ایک ایڈیٹر کی وجہ سے ہندو قوم سے ناراض ہوتے ہیں۔ تو اس دوسرے ہندو کی وجہ سے خوش کیوں نہیں ہوتے۔ پس حکومت۔ انگریز قوم۔ ہندو مسلمان سب کے بُرے لوگوں پر نگاہ نہ رکھو۔ بلکہ اچھے لوگوں پر رکھو۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے۔ کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔ ان کے لئے دعائیں کریں۔ کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو رستہ سے ہٹا دے۔ اور ایسی عبرتناک سزا دے جو دوسروں کی عبرت کا باعث ہو۔ دیر سے مت گھبراؤ۔ کہ یہ دیر ہی تو تمہارے اعلےٰ اخلاق کی نمائش کرتی ہے۔ کوئی فکر نہیں۔ اگر پنجاب گورنمنٹ سے فیصلہ کرانے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے یا حکومت ہند سے فیصلہ کرنے میں اتنا ہی عرصہ لگ جائے۔

مومن کا عزم

ہزاروں سال کا ہوتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں۔ جلدی کرو۔ ورنہ جوش ٹھنڈا ہو جائیگا وُہ خود بھی بے ایمان ہیں اور دوسروں کو بھی بے ایمان سمجھتے ہیں۔

مومن کے دل میں

تو وُہ آگ لگی ہوتی ہے۔ کہ جب تک وہ اپنے خدا کے پاس نہیں پہونچ جاتا وُہ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ جس وقت کسی کا جوش ٹھنڈا ہو جائے۔ وُہ سمجھ لے۔ کہ اس کے اندر ایمان نہیں ہے۔ کیونکر ممکن ہے۔ کہ

سلسلہ کی ہتک

کی جائے۔ اور تم سال دو سال دس سال بیس سال بلکہ سو ہزار سال میں بھی اسے بھول سکو۔ سلسلہ کی ہتک تو ایسی شے ہے۔ کہ اگر ہمارے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر کے قیمہ کر دیا جائے۔ اور پھر اسے ساری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ تو ہمارا ذرہ ذرہ اپنی اپنی جگہ پر بھی اس کی یاد تازہ رکھے گا۔

یہی وُہ قوتِ ارادی ہے

جس سے قومیں جیتتی ہیں۔ جس قوم میں یہ نہ ہو۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تمہارا ارادہ پہاڑ کی طرح ہونا چاہئے۔ تمہارے دل میں یہ خوف نہ ہو۔ کہ واقعات تمہارے دل سے محو ہو جائینگے۔ ٹھنڈے رہو۔ اور یہ یقین رکھو۔ کہ تمہارا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ جب بھی تمہیں آواز دی جائے۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرندوں کی طرح خواہ ان باتوں پر ہزارہا سال گذر چکے ہوں۔ لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاؤ گے:

لدھیانہ میں صدر احرار مولوی حبیب الرحمٰن کی درگت

لدھیانہ ۲۷ جولائی۔ مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں احرار کے خلاف پبلک میں جو جوش پایا جاتا ہے۔ وہ اخبارات میں آچکا ہے۔ یہ بدترین دشمنِ اسلام قوم اب اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے جو قلابازیاں کھا رہے ہیں۔ وُہ آج کل پبلک کی دلچسپی کا موجب ہیں۔ رات مولوی حبیب الرحمٰن صاحب صدر احرار کی طرف سے ایک جلسہ تھا جس میں مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے کئے گئے۔ لیکن نوجوانوں کی پارٹی نے مولوی صاحب کا ناطقہ بند کر دیا۔ اور کہا۔ تم غدار ہو۔ جب تک قادیان کے نام سے وصول کیا ہوا روپیہ واپس نہیں ہوتا۔ تم سے مصالحت نہیں ہو سکتی صدر احرار کو انہوں نے مجبور کر دیا۔ کہ سٹیج سے اُتر آئے مولوی صاحب نے واسطے ڈال کر جان بچائی۔ پولیس نے آکر ان کی اشیاء دلوائیں۔ غیور مسلمانوں نے مولوی صاحب کو صاف کہدیا۔ کہ تم پرانے "بوکے" ہو۔ اب تمہارا چہرہ پرانا ہو چکا ہے۔ ہم کو تمہاری ضرورت نہیں۔ یہ ہے انجام اُس بدنہاد ٹولی کے صدر کا جو بزعمِ خود آٹھ کروڑ کے مذہبی ٹھیکیدار بنے پھرتے تھے:۔ (نامہ نگار)

سہارنپور میں عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر

احمدیوں کا مقابلہ کرو۔ تاکہ حکومت کا بآسانی مقابلہ کر سکو

سہارنپور ۲۷ جولائی۔ لاہور سے چوٹ کھا کر عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۵ جولائی کو صبح نو بجے کی گاڑی سے اترے۔ چہرہ پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ اور کسی گہری سوچ میں مستغرق معلوم ہوتے تھے۔ رات کو جامع مسجد میں لیکچر دیا۔ جس میں مسجد شہید گنج کا ذکر کر کے کہا۔ اس وقت مسلمانوں نے بالکل غلط قدم اُٹھایا۔ چونکہ ہم کو لاہور کے بڑے بڑے لوگوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ کہ اس تحریک میں حصّہ نہ لینا۔ اس لئے ہم نے اس موقعہ پر خاموشی اختیار کی۔ ورنہ اگر ہم بھی اس میں شریک ہو جاتے۔ تو آج ہزاروں بیوائیں ہو جاتیں۔ اور ہزاروں مسلمان کٹ جاتے۔ شہید گنج کی مسجد کا شہید ہونا بھی ایک گہری سازش تھی۔ جس سے دشمن کی یہ کوشش تھی۔ کہ ہم اس جال میں پھنس کر تباہ ہو جائیں۔ مگر ہم بچ گئے۔ قادیانیوں نے حکومت کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر یہ سازش کی کہ اس مسجد کو شہید کرایا جائے۔ اس طرح پر تمام مسلمانوں کی توجہ مجلس احرار سے پھر جائیگی۔ اور قادیانیوں کو موقعہ مل جائے گا۔ کہ وہ لوگوں کو اس سے بدظن کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ ورنہ اچھے بھلے بیٹھے بٹھائے سکھوں کے دماغ میں کیا کھجلی ہوتی تھی۔ کہ اُٹھکر مسجد گرانی شروع کر دی۔ یہ ایک سازش ہی تھی۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے ہمیں بچا لیا۔ اور ہم دام میں گرفتار نہ ہو سکے۔

پھر کہا۔ سب سے بڑا فتنہ قادیانیوں کا ہے۔ حکومت مرزا کے سینگوں پر کھڑی ہے جن کی حرکت کے ساتھ حکومت تہہ و بالا ہوتی ہے۔ بجائے اسکے کہ تم حکومت کے ساتھ جھگڑو کیوں نہ پہلے ان سینگوں کو جڑ سے کاٹ ڈالو۔ اگر تم آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو پہلے اس فتنہ کا تدارک کرو۔ اگر تم نے یہ فتنہ سر کر لیا۔ تو تم آزاد ہو گئے۔ کیونکہ تم حکومت کا مقابلہ بآسانی کر سکو گے تم "ثابت" کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ ڈاکٹر عالم کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ مگر فتنہ قادیان ایک ایسی مصیبت ہے جس نے اپنی جڑیں تمام دنیا میں پھیلا رکھی ہیں۔ مکہ اس سے محفوظ نہیں۔ مدینہ اس سے محفوظ نہیں۔ انگلستان۔ ایران چین۔ جاپان امریکہ غرض ہر جگہ اسکے جاسوس بیٹھے ہیں۔ پس اٹھو پہلے اس فتنہ کا مقابلہ کرو۔ ذرا خیال تو کرو۔ قادیانی اور شہید گنج کی مسجد۔ ذرا غور تو کرو! نہ یہ مسلمان نہ انکی کوئی مسجد۔ پھر انکو اس مسجد سے سروکار ہی کیا ہے۔

134

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد

جلسہ سالانہ ۱۹۳۴ء کے موقعہ پر بعض تاجروں کی طرف سے سفارش کی تحریک پر حضور نے فرمایا:۔

"اس وقت میرے اردگرد دوستوں نے کئی ایک کتابیں رکھدی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ ہم نے کوشش کی کہ پھلدار درخت لگائیں۔ اب ان درختوں کو پھل آگیا ہے۔ مگر وُہ جھڑتا نہیں۔ آپ سوٹا لیکر اس پھل کو جھاڑدیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسی رسم ہوگئی ہے جس کے متعلق مجھے احتیاط کرنی چاہیئے۔ اس لئے میں صرف اتنی اطلاع دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ کئی دوستوں نے کتابیں شائع کی ہیں اور میں سمجھتا ہوں بعض کتابیں مفید اور بعض بہت مفید بھی ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہتا۔ گویا مجمل سفارش کرتا ہوں اور آئندہ کوشش کرونگا۔ کہ ابتدائی خطبہ بجائے خلیفہ کے خطبہ کے نیلام کرنے والے کا خطبہ نہ بن جائے۔ اور آئندہ کوشش کرونگا۔ کہ مجمل سفارش کو بھی ترک کردوں۔ اس وقت اتنی سفارش کرتا ہوں۔ کہ سلسلہ کے لٹریچر کی اشاعت مفید اور ضروری ہے۔ اور جو مفید لٹریچر ہے۔ احباب اُسے خریدیں"

اسی سلسلہ میں دی سٹار ہوزری ورکس لمیٹڈ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں فرمایا۔ جس سے اس کمپنی کی اہمیت اور اس کی ترقی کے لئے حضور کی خواہش کا پتہ چلتا ہے۔ حضور نے فرمایا:۔ "ہاں ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ یہاں ہوزری کا کام شروع کیا گیا ہے۔ اور ایک ایسا کارخانہ کھولا گیا ہے جس پر جماعت کا روپیہ لگایا گیا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ یہاں آہستہ آہستہ مختلف اقسام کے کارخانے کھولے جائیں۔ جب میں نے ایک مجلس مشاورت کے موقعہ پر احباب سے ہوزری کے متعلق مشورہ لیا تھا۔ تو یہ بھی کہا تھا۔ کہ جب کارخانہ جاری ہوجائے اور مال تیار ہونے لگے۔ تو جس سائز کی جرابوں کی انہیں ضرورت ہو۔ اور وُہ مل سکتی ہوں۔ تو اسی کارخانہ کی خریدیں۔ اور یہاں تک کہا گیا تھا۔ کہ جب ہندوستان میں ابتداءً میں جرابیں بننے لگیں۔ جو ڈھیلی ڈھالی ہوتی تھیں۔ اگر اس قسم کی بھی یہاں بننے لگیں۔ تو انکے خریدنے میں عذر نہ کریں۔

سلسلہ کی ترقی اور جماعت کی تنظیم

کے لئے ایسا مال خریدنا پڑے۔ تو بھی اعتراض نہ ہو۔ سوائے اس کے کہ مطلوبہ سائز کی جرابیں نہ مل سکیں۔ آئندہ جماعت کا فرض ہوگا۔ کہ جب اس کارخانہ کی جرابیں مل سکیں۔ تو وہی خریدیں۔ اب کارخانہ نے مال تیار کرنا شروع کردیا ہے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وُہ خریدیں۔ اور یہاں آتے جاتے بھی وہی مال خریدا کریں۔ افسوس ہے۔ کہ کارخانہ نے ابھی تک ایجنسیاں قائم کرنیکی کوشش نہیں کی۔ اور نہ مال کا ایسے رنگ میں اشتہار دیا ہے۔ جو ضروری ہے مگر یہ کارخانہ والوں کا کام ہے۔

جماعت کا فرض

یہ ہے۔ کہ تمام دوست اسی کارخانہ کی جرابیں خریدیں۔ اور ہمیں امید ہے۔ دوست اس بات کو یاد رکھیں گے۔ اب کارخانہ سے ہر قسم اور ہر سائز کی جراب مل سکتی ہے۔ اور متعدد شہروں میں ایجنسیاں بھی قائم ہوچکی ہوئی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ احباب اپنے مقدس امام کی مندرجہ بالا خواہش کا ویسا ہی احترام کرینگے۔ جس کی کہ وُہ مستحق ہے۔ اور اس کے بعد سٹار ہوزری کا مال استعمال کرنے کے لئے کسی مزید سفارش کی ضرورت نہ سمجھیں گے۔

(جنرل مینجر دی سٹار ہوزری ورکس لمیٹڈ قادیان)

ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں!

ٹائمز اوف انڈیا ۲۵ جولائی رقمطراز ہے۔ آنریبل سر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کامرس ممبر گورنمنٹ اوف انڈیا ۲۱ جولائی بروز اتوار شملہ سے روانہ ہو کر سوموار کو بمبئی تشریف لائے۔ آپ کے اعزاز میں شہر کے سرکردہ تاجروں نے ایک شاندار دعوت دی۔ آپ نے چیمبر اوف کامرس کے ایک اجلاس میں بھی شرکت فرمائی۔ آپ جمعرات کی شام تک بمبئی ہی میں ٹھیرے۔ اکابرین شہر نے آپ سے ملاقاتیں کیں سر گتھری رسل۔ چیف کمشنر اور مسٹر پی۔ آر۔ راؤ فنانشل کمشنر اوف ریلویز اس موقع پر کلکتہ سے بمبئی آئے۔

سری نگر ۲۷ جولائی۔ ہیضہ کی وباء پھیل رہی ہے۔ کل کی اطلاع ہے۔ کہ ۹۶ نئے کیس ہوئے۔

لکھنؤ ۲۶ جولائی۔ اخبار "پائونیر" کا نامہ نگار مقیم شملہ اطلاع دیتا ہے۔ کہ یہاں سیاسی حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں جو شملہ میں منعقد ہوگا۔ کانگرس پارٹی کو منتخب مسلمان اراکین کی حمایت حاصل ہونے کی زیادہ امید ہو گئی ہے۔ اور یقینی معلوم ہوتا ہے کہ لاہور اور کراچی کے واقعات کے سلسلہ میں جن کے متعلق گورنمنٹ نے مسلمانوں کو تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اسمبلی میں رزولیوشن پیش ہونگے۔ اور سوالات دریافت کئے جائینگے۔ کانگرسی ممبر اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منتخب مسلم ممبروں کو اپنی طرف کر کے اسمبلی میں اپنی پوزیشن کے استحکام کی کوشش کریں گے۔

کلکتہ ۲۶ جولائی۔ باشندگان کلکتہ کا ایک عام اجلاس مسٹر جے۔ سی گپتا کی زیر صدارت البرٹ ہال میں منعقد ہوا۔ اٹلی کے ابی سینیا کے خلاف جارحانہ اقدام کی مذمت کی گئی۔ اور ابی سینیا کی بہادرانہ روح آزادی کی تعریف کی گئی۔

پیرس ۲۶ جولائی۔ پیرس کے اخبار "پیرس سوئیر" کے خاص نامہ نگار کو ایک ملاقات کے دوران میں شاہ حبشہ نے کہا۔ کہ وہ اٹلی کو نہ تو اپنا کوئی علاقہ دے گا۔ اور نہ کوئی اقتصادی رعایت

نیویارک ۲۵ جولائی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اشتراکیت زوروں پر ہے۔ جس کی وجہ سے مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیانہ خلیج نفاق وسیع ہو رہی ہے۔ ایک کارخانہ میں ۲۵۰۰ مزدوروں نے ہڑتال کر دی تھی ہڑتال کا تصفیہ ہونے والا تھا۔ کہ انقلابی پارٹی نے تصفیہ کی تمام کوششیں ناکام کر دیں۔

ڈلہوزی ۲۷ جولائی۔ ایک کمیونک مظہر ہے۔ کہ مالیر کوٹلہ کے ہندو مسلم تنازعہ کے سلسلہ میں اخبارات میں گمراہ کن اور غلط خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ صرف جھگڑا بڑھ جانے پر آرتی اور نماز کے اوقات مقرر کر دئے گئے تھے۔ کوئی سیاسی لیڈر رہا نہیں کیا گیا اور اب شہر میں امن ہے۔

ریاست متحدہ امریکہ کی کابینہ میں ایک ممبر ہیولانگ نے قومی خوشحالی کے قانون کے متعلق متواتر ۱۷ گھنٹے تقریر کی اور تمام پچھلے ریکارڈوں کو توڑ دیا امریکن سینیٹ کا کوئی ایسا قاعدہ نہیں۔ جو ممبروں کو لمبی تقریروں سے روکے۔

لاہور ۲۷ جولائی۔ گذشتہ شب پولیس نے اٹھارہ اشخاص کو کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کیا۔ صبح ان کا چالان کیا گیا۔ مجسٹریٹ نے سرسری سماعت کے بعد انہیں ایک روپیہ سے تین روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی۔ اس وقت تک چار سو کے قریب لوگوں کو کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کے الزام میں سزائے قید و جرمانہ کا حکم ہو چکا ہے۔

لنڈن (بذریعہ ہوائی ڈاک) جاپان نے سمندر میں ایک لمبی سرنگ بنا کر ہوکیشو اور کیشو دو جزیروں کو ملانے کی تجویز کی ہے۔ سرنگ کی لمبائی ۲½ میل ہوگی۔ ایک میل پانی کے اندر ہوگی۔ کام ۱۹۳۶ء سے شروع ہو کر کئی سال تک جاری رہے گا۔ خرچ تقریباً ۱۵۰ لاکھ پونڈ ہوگا۔

لاہور ۲۸ جولائی۔ اخبار "زمیندار" مجریہ ۳۰ جولائی مسلمانوں اور احراریوں کی متحدہ کانفرنس کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے "زبانوں اور الفاظ میں اتحاد ہو گیا۔ اور بظاہر مجلس احرار نے مسلمانوں کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا۔ لیکن مسجد کی واگزاری کے عزم اور اس کے مطالبہ کے لئے مجلس احرار ایک جنبش کے لئے تیار نظر نہیں آتی۔ اور مجلس احرار اپنی سابقہ پوزیشن سے ایک قدم بھی بڑھنے کے لئے تیار نہیں"

بمبئی ۲۷ جولائی۔ ہفتہ مختتمہ ۲۷ جولائی میں بمبئی سے یورپ اور امریکہ کو ساڑھے تین کروڑ روپیہ کا سونا بھیجا گیا جب سے برطانیہ نے گولڈ سٹینڈرڈ ترک کیا ہے۔ ۲۳۶۵۱۹۰۴۸۵ روپیہ مالیتی سونا ہندوستان سے باہر بھیجا جا چکا ہے۔

تورن (اٹلی) ۲۷ جولائی۔ تورن کے قریب ایک کارخانہ میں بارود کو آگ لگ جانے کی وجہ سے پچاس آدمی جل کر راکھ ہو گئے۔

ایتھنز ۲۷ جولائی۔ سابق شاہ یونان خیال کرتے ہیں۔ کہ مجوزہ آراء شماری میں ساٹھ فی صدی آراء ان کو تخت نشینی کی ترغیب دینے کے لئے کافی ہونگی گورنمنٹ کا رویہ اس بارے میں غیر معین ہے۔ لیکن اس کا ارادہ ہے۔ کہ آراء شماری کو ملتوی کر دیا جائے بہت سے اضلاع میں ملوکیت کی دوبارہ آمد کے خلاف بطور پروٹسٹ جلسے ہوئے ہیں ہیں جن میں سے صرف چار ممبر رائلسٹ ہیں۔ باقی تمام جمہوریت کے حامی ہیں۔

برلن ۲۶ جولائی۔ غداری کے نئے قانون کے ماتحت عدالت نے ایک اشتراکی کو سزائے موت کا حکم سنایا ہے۔ ملزم کے خلاف الزام یہ تھا۔ کہ وہ گورنمنٹ کے مخالفوں کو سرحد پر لاتا تھا۔ ان کے بال بچوں کی امداد کرتا اور ان کو مالی امداد دیتا تھا۔

کولمبو ۲۷ جولائی۔ ضلع چیلا کے ایک شہر میں آگ لگ گئی۔ آگ کو فرد کرنے کی غرض سے پچاس مکانات کو منہدم کرنا پڑا۔ نقصان جان کی ابھی تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

ہانگ کانگ ۲۶ جولائی۔ شنگھائی سے آمدہ اطلاع مظہر ہے۔ کہ جاپان کی منگولیا میں پیش قدمی سے روس میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے جاپان کی غرض کوان تنگ میں فوجی مستقر بنانا ہے۔ نیز آمد و رفت میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے تار برقی کا جال پھیلانا ہے۔

پیرس ۲۶ جولائی۔ فرانس کے وزیر خزانہ نے کابینہ کو مطلع کیا ہے۔ کہ ۱۹۳۶ء کے بجٹ میں مجوزہ تخفیف اور کفایت شعاری کے نتیجہ طور پر کل خرچ ۴۰۰ ، ۲ کروڑ فرینک ہوگا۔ ۱۹۳۲ء میں یہ خرچ ۵۱۰۰ کروڑ فرینک تھا۔

لاہور ۲۷ جولائی۔ سردار سردول سنگھ کویشر کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے وارد ہا گئے ہیں۔ پنجاب کے کانگرسیوں نے ان کو اختیار دیا ہے۔ کہ اگر ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں نئی اصلاحات کے ماتحت کونسلوں اور اسمبلی میں عہدے قبول کرنے کی تحریک پیش کی جائے۔ تو وہ اس کی مخالفت کریں۔

مدراس ۲۶ جولائی۔ کرنسی نوٹوں کی جگہ ریزرو بنک اوف انڈیا کے نوٹ جاری کرنے کے سلسلہ میں انتظامات عنقریب مکمل ہو جائیں گے۔ اور تقریباً ایک ماہ تک ریزرو بنک کے نوٹ جاری ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ نوٹوں کی شکلوں میں کچھ تبدیلی کی جائے گی۔ لیکن نوٹوں کی مالیت وغیرہ کے متعلق تبدیلیاں نہیں کی جائینگی۔

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا۔ اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر۔ غلام نبی